عبدالکریم ثمر

فاروقِ اعظمؓ

عہد آفریں شخصیت

تاجدارِ کون و مکاں کی ذاتِ گرامی اور آپؐ کی لازوال تعلیم سے جن نفوسِ قدسیہ کی زندگیاں امت کے لیے مثالی اور نمونہ ثابت ہوئیں ان میں خلفائے راشدین سرِفہرست ہیں۔ اگر ان خلفائے اربعہ کے مبارک و مسعود دور پر مجموعی نظر ڈالی جائے تو ان کے سیرت و کردار ہمارے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ اس عہد کے واقعات پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ انسان اتنا مقتدر اور عظیم و جلیل ہو کر بھی اس قدر نیک اور سادہ ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کے صدرِ اول میں یہی وہ تابناک دور ہے جس کی مثال تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی۔

بلاشبہ تاریخ ان عظیم کرداروں کا ایک طویل سلسلہ اپنے اوراق میں محفوظ رکھے ہوئے ہے اور ان میں ہر شخصیت عزت و احترام کے قابل ہے لیکن ان عظیم میناروں کی بلندی یکساں نہیں ہے۔ کچھ ان میں اونچے ہیں، اور کچھ اس قدر رفیع الشان ہیں کہ ان کے کنگرے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ ان میں فاروقِ اعظمؓ بلند قامت اور تاریخی شخصیت ہیں۔ ان کی پوری زندگی عظمتِ لازوال کا مجسمہ ہے۔

فاروقِ اعظم

مشہور مصری مؤلف محمد حسین ہیکل اپنی کتاب "عمرؓ" میں رقمطراز ہے کہ:

" فاروق اعظمؓ کی زندگی بلند تو اس وقت بھی تھی جب وہ دشت میں اونٹ چرایا کرتے تھے، کیونکہ آپ ایک اچھے خاندان کے چشم و چراغ تھے اور اس ناخواندگی کے دور میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔"

لیکن حقیقت یہی ہے کہ سرکار دو عالم کی نگاہِ کرم نے ہی ان کو اپنی فطری توانائیوں سے روشناس کرایا، اور ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جس پر گامزن ہو کر عمرؓ فاروق اعظمؓ بن گئے۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہن میں اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ نے تاریخ عالم میں اس قدر بلند مقام کیونکر حاصل کر لیا اور ان میں وہ کونسی خوبی تھی جس نے ان کو اپنے دور کا بہترین حکمران اور صف اول کا رہنما بنا دیا۔

یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں آپ کی قبل از اسلام زندگی پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ آپ عرب کے مشہور سلسلہ عدنان قبیلہ قریش کی شاخ عدی میں پیدا ہوئے جو انساب عرب اعلیٰ نسب رکھتے تھے۔ آپ کی ممتاز خاندانی روایات شہری ناموری سے مالا مال ہیں۔ پیدائش اور بچپن کے حالات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں۔ لیکن جناب عمرو بن عاص کی روایت کے مطابق جب آپ پیدا ہوئے تو مجلس میں مبارک باد کا شور اٹھا، خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ سن رشد کو پہنچے تو باپ نے خاندانی روایت کے مطابق اونٹ چرانے پر مامور کر دیا۔ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد ایک مرتبہ وادی ضجنان سے گزرے تو آبدیدہ ہو کر فرمایا:

" اللہ اللہ ایک زمانہ تھا۔ میں نمدہ کا کرتہ پہنے اس جگہ اونٹ چرایا کرتا تھا، اور جب تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ سے مار کھاتا اور آج ...... وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرے اوپر کوئی حکمران نہیں۔"

آپ کا بچپن عام بچوں کی طرح گزرا۔ لیکن لکھنا پڑھنا سیکھ کر امتیاز حاصل کر لیا تھا

قوت و طاقت کے اعتبار سے تمام ہم عمروں پر فوقیت حاصل تھی۔ شہر کا کوئی نوجوان بھی آپ کی جسامت اور قامت کو نہیں پہنچتا تھا۔ چہرے کی رنگت سفید تھی جس پر سرخی غالب تھی۔ رفتار تیز اور قدم فراخ رکھتے تھے۔ پہلوانی اور شہ زوری آپ کے محبوب مشاغل تھے۔

مذاق شعر نہایت شستہ تھا۔ انساب عرب میں اپنا حریف نہ رکھتے تھے۔ خود اعتمادی اور عزت نفس ایسے خصائص بھی بدرجۂ اتم رکھتے تھے۔ سرفائے عرب کے رواج کے مطابق سپہ گری اور خطابت کے فنون میں بھی مہارت تھی، اور ایام جہالت کے دور میں بھی اپنے علم و حکمت کی وجہ سے سفارت اور فیصلہ منافرت کے اہم عہدہ پر فائز تھے۔ جب کبھی قریش کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہوتا تو تمام لوگ آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے۔ آپ بہترین متکلم تھے، اور فصاحت و بلاغت میں بھی بے نظیر تھے۔

بلاذری کی روایت کے مطابق آپ قریش کے ان سترہ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کے علاوہ تمام شہر میں کوئی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ شرفا میں آپ کا اونچا مقام تھا۔ شرافت، مہمان نوازی، شجاعت، دلیری، عالی حوصلگی، نسلی تفاخر اور کاروباری بصیرت بھی رکھتے تھے۔

آپ کی عمر کی ستائیس بہاریں گزر چکی تھیں کہ حرا سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا جس کی روشنی سے تاریخ انسانیت ایک نئی راہ پر گامزن ہوئی۔ چنانچہ مکہ کے دیگر امرا کی طرح آپ نے بھی سرور کائنات کے پیش کردہ اسلوب حیات کی بڑی شدت سے مخالفت کی اور اس معاملہ میں اس قدر آگے بڑھے کہ جو لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان کی زندگی دو بھر کر دیتے۔

جب کبھی قرآن پاک یا نبی اکرمؐ کے ارشادات سنتے تو جاہلی حمیت جوش میں آجاتی بلاشبہ اس زمانہ میں آپ مسلمانوں کے دشمن مشہور تھے۔ لیکن عصبیت کے باوجود آپ

بڑے باشعور، حساس اور باعمل انسان تھے۔ آپ کی فطرت اور جبلت میں جو بلندی اور شرافت تھی، اس نے جلد ہی آپ کو اسلام کے سامنے سپر انداز ہونے پر مجبور کر دیا، کہ انسانی عظمت کا یہ ایک تابناک اور عظیم پہلو ہے۔

آپ اس وقت اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے جب مکہ مکرمہ میں کفار کی چیرہ دستنیاں اپنی انتہا پر تھیں۔ مٹھی بھر مسلمانوں کو اپنی عزت اور حریت بچانے کے لیے گھروں میں دبکے رہنا پڑتا تھا۔ تمام شہر میں بربریت اور وحشت کا دور دورہ تھا۔ ایسے وقت میں آپ کا اسلام قبول کر لینا ایک معجزہ ثابت ہوا، جس نے اسلام اور مسلمانوں کو بے حد تقویت پہنچائی۔

قبولِ اسلام

آپ کے اسلام قبول کرنے کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک خود آپ کی ہے اور دوسری کا قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مفکر اسلام حضرت احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پہلی روایت موثق اور مستند ہے۔ آپ گئے تو تھے سرکار دو عالمؐ کو شہید کرنے کے ارادہ سے لیکن اس بارگاہ عالیہ سے اسلام کی دولت لیے واپس آئے، معجزہ ظہور پذیر ہو گیا، تو عظمت اپنی اصلی صورت میں متشکل ہو کر جلوہ گر ہو گئی۔ جن لوگوں کی قوت فیصلہ اور فرق و امتیاز کی حس تیز ہوتی ہے وہ طریق اختیار کرتے ہیں جو راستہ فاروق اعظمؓ نے کیا تھا۔

پہلے یہ فیصلہ تھا کہ ابن عبد اللہؐ میرا ہم پلہ نہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اس سے معاشرہ میں افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ نیز یہ اپنے آباؤ اجداد کے دین سے صریحاً روگردانی ہے۔ اس لیے عبد اللہ کا بیٹا (نعوذ باللہ) گردن زدنی ہے۔ مگر جب ہمشیرہ اور برادر نسبتی نے ایک دوسرے پہلو پر سوچنے کا موقع فراہم کر دیا تو اس کا منطقی نتیجہ یہی تھا جو نکلا کہ جس کے کام پر اتنی بندشوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود جاں نثاریاں بڑھ رہی ہیں اس میں ضرور کوئی غیر معمولی خوبی ہے۔ بس...... انداز نظر بدلنے کی دیر تھی کہ راستے بدل گئے۔

اب وہی تلوار جو نبی اکرمؐ کا کام تمام کرنے کے لیے بے نیام ہوئی تھی اسلام کی حمایت میں اٹھنے لگی، اور وہی عمرؓ جو سرورِ کائنات کی جان کے لاگو تھے عمر فاروقؓ بن کر واپس آئے۔

دراصل یہی قوت فیصلہ ہی آپ کی عظمت کا راز ہے۔ خود ان کے اپنے الفاظ ہیں کہ قدرت نے مجھے حق و باطل میں فرق کرنے کی گراں قدر لیاقت عطا فرمائی ہے۔ پھر وقت آنے پر یہی قوتِ فرق صورت بدل کر فاروق اعظمؓ بن گئی۔

تاریخ اسلام میں رسول اللہؐ کے بعد جب عمرؓ کا نام آتا ہے تو ذہن بصد استعجاب و احترام ان کی اعلیٰ خوبیوں اور صلاحیتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ مبدۂ فیض نے جناب فاروقؓ کو متضاد خوبیاں ودیعت کی تھیں۔ جب ان کے زہد و اتقا کا ذکر کیا جائے تو ان کے عدل و انصاف پر بھی بے ساختہ نظریں اٹھ جاتی ہیں۔ ان کے واقعاتِ زندگی پڑھ کر عقل انھیں تسلیم کرنے سے ہچکچاتی ہے۔ کیونکہ اس برگزیدہ انسان کے فضائل و کمالات اور اس کے کارہائے نمایاں معجزات کے قریب نظر آتے ہیں۔ حالانکہ معجزہ صرف پیغمبرانِ کرام تک مخصوص ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ۴۵ مردوں اور ۲۱ عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ علامہ ابن کثیر نے ہدایہ میں لکھا ہے کہ عمرؓ ہجرت حبشہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ آپ کا دل آئینے کی مانند شفاف تھا۔ آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔

حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں نے سرورِ دو عالمؐ کو دعا کرتے سنا تھا کہ اے اللہ ابن ہشام یا عمرؓ بن خطاب کو قوتِ اسلام میں شامل کر دے کہ اتنے میں ارقمؓ کے دروازہ پر دستک ہوئی۔ ارشاد ہوا کون؟ جواب ملا "عمرؓ ابن خطاب"۔

آپ کی جرأت و بسالت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اسلام لے آئے تو دوسری صبح ہی ابوجہل کے پاس گئے اور بہ صد فخر اسے اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ آپ کے

مشرف باسلام ہونے کے بعد مسلمان ایک گونہ بے خوف ہو گئے۔ اور خانۂ کعبہ میں جاکر نمازیں ادا کرنے لگے۔ اب کفار کی جانب سے کوئی مزاحمت نہ ہوتی اور نہ ہی قریش کا دست تعدی مسلمانوں پر دراز ہوتا۔

اصابت رائے

آپ کی اصابت رائے اور انتظامی قابلیت آپ کو ذات رسالتؐ کے قریب تر لے آئی اور نگاہِ نبوت میں آپ کا اعتماد روز بروز بڑھنے لگا۔ اسیرانِ بدر کے معاملہ میں آپ کی رائے الہامی شخصیت ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ وحی ایزدی نے آپ کے موقف کی تائید کی۔ اس سے بیشتر اذان کا معاملہ پیش آچکا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم دے کر آپ کی رائے کو نوازا۔ بعد ازاں شراب کی حرمت بھی آپ کے ایما پر نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے بعض اجتہادی مسائل آج بھی مسلمانانِ عالم کے لیے تقلید کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی معاملہ فہمی، قومی مسائل پر دقیق نظری، سیاسی تدابیر اور مدبرانہ علم و حکمت کی آرار دیکھ کر ہی حضور رسالت مآبؐ نے آپ کو اپنا وزیر مقرر کیا، اور یا اخی کہہ کر مخاطب فرمایا۔

سرکار دو عالمؐ کا دورِ حکومت، خلیفۂ رسولؐ کا زمانۂ خلافت اور خود فاروقِ اعظمؓ کی حکمرانی کا زمانہ آپ کے فیصلوں کی صحت اور عظمت پر دال ہے۔ آپ کا استدلال، آپ کی تہذیب و شائستگی، آپ کی وسیع نظری ہی وجہ سرفرازی و سربلندی بنی۔ آنحضورؐ کے بعد خلافت کے معاملہ میں آپ کی جرأت اور مدبرانہ رائے نے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ ابتدا ہی میں بند کر دیا۔

جب آپ نے دو ٹوک اور واشگاف الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا اعلان کیا تو کسی کو آپ کی رائے سے مخالفت کی جرأت نہ ہو سکی۔ پھر جب خود خلیفہ مقرر ہوئے تو

اپنی قوت فیصلہ کے بل پر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ عقل و خرد آج بھی انگشت بدنداں ہیں۔ اسلامی حکومت کی بنیاد اگرچہ خود رسول اللہ اور خلیفۂ اول کے زمانہ میں استوار ہو چکی تھی، مگر ایک، پُرشکوہ، باعظمت اور طویل و عریض حکومت کی شکل آپ کے دور خلافت میں ہی متشکل ہوئی۔

آپ کی قوت فیصلہ اس قدر تیز نہ ہوتی تو ناممکن تھا کہ جس قدر فتوحات آپ کے دورِ حکومت میں ہوئیں، ان سے نصف بھی ہو سکتیں۔ آپ نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر ایران اور روم کی سرحدوں پر فوجیں لڑائیں، اور وہ کامرانیاں حاصل کیں کہ دنیا عش عش کر اٹھی ۔۔۔ جنگ کے نقشے آپ کے سامنے ہوتے اور آپ کی قوت ساری فوجی تنظیم کو شطرنج کے مہروں کی طرح آگے بڑھاتی۔

چنانچہ قادسیہ، دمشق، حمص، بیت المقدس، خوزستان، عراق، آذربائیجان، طبرستان، خراسان اور مصر وغیرہ ممالک کی فتوحات کے واقعات آج بھی شاہد ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے ان معرکوں میں کیا کردار ادا کیا۔

نظامِ حکومت کو جس انداز سے استوار کیا۔ مجلس دستور ساز کا انعقاد اور حکومت کے انتظام و انصرام کے جو طریقے اختیار کیے۔ عمّال اور رعایا کی حالت جس طرح نگاہوں میں رکھی۔ حقیقی جمہوریت کی جو فضا پیدا کی۔ عدالتی نظام کو جس خوش اسلوبی سے قائم کیا۔ قومی خزانہ کی بنیادیں جس نہج پر اٹھائیں۔ رفاعِ عامہ کے کاموں کو جس سرگرمی اور چابک دستی سے وسعت بخشی۔ نئی بستیاں جس تیزی سے آباد کیں۔ فوج اور پولیس کے شعبوں کو جس طرح منظم کیا۔ تعلیم اور خواندگی کا جو اہتمام فرمایا۔ زمینداروں اور آجروں کے حقوق و فرائض جس کشادہ ظرفی سے متعین فرمائے۔ خراج کے محکمہ کو جس طرح باقاعدہ بنایا۔ غرض تمام امور آپ کی قوتِ فیصلہ کے شاہد ہیں، اور سب نتیجہ ہے آپ کی قوت ایمان کا۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کی عظمت کا اصل پہلو آپ کی سیرت کا اصل نقطہ صرف آپ کی صحیح قوت فیصلہ کا اعجاز ہے۔ کامیاب حکمراں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ رعایا کے لیے اس کے دل میں رحم و شفقت ہو۔ لیکن امور سلطنت کے انصرام میں اپنے ماتحت حاکموں پر سخت گرفت بھی ہو تاکہ وہ من مانی کارروائی نہ کرسکیں، اور اجتماعی حقوق انفرادی مفاد کا شکار نہ ہو جائیں ادائے فرض میں اس کی نظر احتساب سے امیر و غریب، کمزور اور طاقتور کوئی بھی نہ بچ سکے۔

نظام حکومت

اپنے عہد خلافت میں آپ نے بیت المال مستحکم کیا، عہدۂ قضا کا تقرر کیا۔ تاریخ اور سن رائج کیے۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ دفتر مال قائم کیا۔ مردم شماری کرائی۔ نہریں کھدوائیں۔ دوسرے ممالک کے تاجروں کو ملک میں آکر تجارت کرنے کی اجازت دی۔ جیل قائم کیے۔ دورہ کا استعمال کیا۔ پرچہ نویس مقرر کیے۔ شہروں میں مہمان خانے بنوائے۔ مفلوک الحال ذمیوں کے روزینے مقرر کیے۔ معلموں، مدرسوں اور اماموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ قرآن حکیم کی تدوین و ترتیب کے لیے خلیفۂ رسولؐ کو آمادہ کیا۔ نماز تراویح کو باجماعت رائج کیا۔ صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کے جملہ کا اضافہ کیا۔ شراب پر شرعی حد لگائی۔ وقف کا طریقہ رائج کیا۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔ نماز جنازہ میں چہار تکبیر کا اجماع کیا۔ مساجد میں روشنی کا انتظام کیا۔ ہجو یہ اشعار کہنے پر تعزیر قائم کی۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع فرمایا، اور حکمرانی نظم و نسق کے بنیادی اصولوں پر فاروق اعظمؓ اس طرح پورے اترے کہ غیر مسلم مورخین بھی آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

آپ رات کو چھپ چھپ کر رعایا کی خبر گیری کرتے۔ آپ نے خالدؓ بن ولید جیسے بطل جلیل اور عظیم جرنیل پر احتساب سے گریز نہ کیا۔ آپ شہر کی غریب بڑھیا کے لیے اپنی پیٹھ پر غلہ کی بوری لاد کر لے گئے لیکن ملک و ملت کے بدخواہوں پر پوری گرفت کرتے۔ آپ کا تقویٰ آپ کی جرأت ایمانی اور سیرت و کردار کی اقدار بہت بلند تھیں۔

آپ نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے کسی حالت میں بھی گریز نہیں کیا۔ آپ صالحین امت میں صفِ اوّل کے رہنما تھے۔ آپ کے کردار کا یہ عالم تھا کہ اپنے اعمال پر بھی محاسبہ کرنے اور اعیان سلطنت کے فرائض پر بھی کڑی نگرانی کرتے۔ آپ کے عتاب سے حضرت عمروؓ بن عاص جیسے جلیل القدر سپہ سالار اور بے نظیر سیاستدان بھی نہ بچ سکے۔"

آپ عربی قبائل کی وہ عصبیت بھی جانتے تھے جو بلادِ عرب پر لوائے رسالتؐ کے لہرانے کے بعد دم سادھے بیٹھی تھی، اور اختلاف امت کے ہولناک انجام سے بھی واقف تھے۔ آپ نے رسول اللہؐ کی آخری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو باہم اخوت کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔ قوم اور ملت میں بھائی چارہ قائم کیا۔ اسلام کے اجتماعی نظام کی طرح اس کا روحانی نظام بالکل سادہ ہے، اور دوررس نتائج کا حامل ہے۔ آپ نے معاشرہ کے ہر شعبہ کو اور پوری مملکت کو باہمی مشورت کے ذریعہ منسلک کر دیا۔ کاروبارِ حکومت اور اس کے انصرام کے لیے مجلس شوریٰ قائم کی جو سلطنت کے تمام امور کے متعلق سوچ کر فیصلہ کرتی۔

مولانا شبلی نعمانیؒ مرحوم نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الفاروق" میں مجلس شوریٰ کے معزز اراکین کی فہرست اور ان کے اسمائے گرامی گنائے ہیں۔ اس مجلس کے اراکین حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، زیدؓ بن حارث، اور ابیؓ بن کعب تھے۔ یہ اکابر صحابہ مسجد نبوی میں وقت کے پیش آمدہ مسائل پر

بحث و تمحیص کرتے۔ فوج کی تنخواہیں، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، تجارتی و سیاسی معاہدے اور دیگر تمام امور باہمی مشورت سے طے پاتے۔

آپ نے یہ قائم کر کے جمہوریت کی وہ بنیادیں استوار کر دیں جن کی اساس سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے زمانۂ حکومت میں رکھی تھی۔ آپ نے ہمیشہ اور ہر معاملہ میں قرآن و حدیث سے استدلال فرمایا۔ صوبجات اور اضلاع کی جو خبریں دربار خلافت میں پہنچتیں، وہ اراکین مجلس کے سامنے پیش ہوتیں۔ پھر گہری سوچ بچار اور بحث و مذاکرہ کے بعد ان پر فیصلے صادر کیے جاتے۔

بلاشبہ قرآن و حدیث کے احکام ہر زمانہ اور ہر لحاظ سے واجب العمل ہیں۔ آنحضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایک نئی بات مشاہدہ میں آئی، کہ احادیث میں تعارض کا شبہ ہونے لگا۔ ایسی صورت میں اجتہاد و رائے کی ضرورت پیش آئی تو اس کا نام فقہ قرار پایا۔ حضرت عمر رضؓ نے کبار صحابہ میں سے چھ اصحاب کو فقیہہ مقرر کیا۔ جب اس مجلس دستور ساز کے اراکین پیش آمدہ مسائل میں اختلاف کرتے تو حزب اختلاف خود بخود وجود میں آجاتی۔

حضرت فاروق رضؓ لائق صد تحسین ہیں کہ انھوں نے نہ صرف جزئیات کی تدوین فرمائی بلکہ مسائل کے استخراج و استنباط کے اصول بھی مقرر فرما دیے۔ چنانچہ آپ کے بعد بھی ہر خلیفہ کے دور میں یہ مجلس شوریٰ قائم رہی جو خلیفہ کو صائب مشورہ دیتی۔ یہ شرف و امتیاز صرف اسلام اور اس کے متبعین ہی کو حاصل ہے کہ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر موڑ پر عدل و انصاف کے مینار ضیا پاشی کرتے رہے ہیں۔ ورنہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بلاشبہ مہ و پرویں پر کمندیں ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن روئے زمین پر اسلام کے بغیر کوئی ایسا نظامِ حکومت موجود نہیں ہے جو دکھی انسانیت اور مظلوم معاشرے کو سکون و طمانیت کی نعمت عطا کر سکے۔

عہد نبوی ہی میں طے ہو گیا تھا کہ اسلامی تقویم حضور اکرمؐ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کے واقعہ سے شروع کیا جائے اور اس کا حساب قمری مہینوں کے اعتبار سے ہو کیونکہ عربوں کو زمانہ عتیق ہی سے دنوں، مہینوں اور سالوں کی تقسیم معلوم تھی چنانچہ آپ کے عہد میں جب اسلام کے ہجری سن کا فیصلہ ہوا تو آپ نے کبار صحابہ کی رائے کے مطابق قمری کیلنڈر ترتیب دے کر تمام اسلامی ممالک میں رائج کر دیا۔

آپ نے بعض اہم مسائل میں اجتہاد بھی کیے۔ آپ نے ایک موقع پر (عام الرمادہ) چور کی سزا ملتوی کر دی تھی۔ یہ اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ تمام مملکت میں زبردست قحط رونما ہو گیا تھا تو لوگ پیٹ بھرنے کے لیے غلہ چوری کر لیا کرتے تھے۔ عوام فقر و فاقہ کی وجہ سے زمین سے لگ گئے تھے۔ لوگوں کے چہروں اور جسم کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔ یہ قحط ۱۸ھ میں رونما ہوا، اور جلد ہی اس نے تمام جزیرۃ العرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس زمانہ میں آپ نے ایک عام حکم کے ذریعے چوری کی سزا قطع ید وقتی طور پر ملتوی کر دی تھی، لیکن اسے منسوخ نہیں کیا تھا۔ جب تک قحط رہا آپ دن بھر روزہ رکھتے۔ آپ کے خادم خاص سالم کی روایت ہے کہ:

"اس زمانہ میں آپ نے اس قدر فاقے کیے کہ لوگ فکر مند ہو گئے اور خیال کرنے لگے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جلد ہی قحط کی کیفیت دور نہ کر دی تو آپ مسلسل فاقوں کی وجہ سے خدانخواستہ ہلاک نہ ہو جائیں۔"